روئے گا تجھے زمانہ برسوں

آہ علامہ احسان الہٰی ظہیر شہید

تحریر! جناب حافظ صلاح الدین یوسف

خیال تھا کہ اب مزید کسی اور کے سانحۂ شہادت پہ شاید لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور علامہ احسان الہٰی ظہیر سمیت دوسرے تمام مجروحین انشاء اللہ صحت یاب ہو جائیں گے تمام حضرات بارگاہ الہٰی میں ان کی صحت و عافیت کے لئے قلب سے دعاگو تھے لیکن مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ کے تحت بالآخر حادثے سے متاثر ہونے والی سب سے اہم شخصیت علامہ احسان الہٰی ظہیر بھی راہگرائے عالم بقاء ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ صاحب کی بائیں ٹانگ اور دایاں بازو بم کے خوفناک دھماکے سے سخت متاثر ہوئے تھے عام خیال یہی تھا کہ یہ زخم کاری ہونے کے باوجود مندمل ہو جائیں گے۔ حالت تشویشناک ہونے کے باوجود عام اندازہ یہی تھا کہ ابھی شاید ان کی حیات مستعار کے ایام باقی ہیں۔ خود صاحب مرحوم بھی اپنی صحت اور زندگی کے بارے میں پرامید تھے اس لئے وہ خود بھی اس عزم سے سرشار تھے کہ صحت مند ہونے کے بعد اسی تندہی اور انہماک سے ملک وملت اور اسلام کی خدمت میں مصروف رہیں گے جس طرح حادثے سے قبل وہ ع جاوداں، پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی۔ کے مصداق تھے ان کے مداحین اور عقیدت مندوں کی دعائیں بھی یہی تھیں کہ وہ صحتیاب ہو کر دوبارہ قافلۂ حق کی سالاری، کاروانِ ملت کی حُدی خوانی اور توحید و سنت کی پاسبانی کا فریضہ اسی بے باکی اور بے خوفی سے ادا کریں جس میں وہ اپنے اقران و اماثل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے مگر مشیت ایزدی ان تمام اندازوں اور گمانوں پر تقدیر اور حکمت الہٰی دعاؤں پہ غالب رہی اور ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کی صبح کو ریاض (سعودی عرب) کے ہسپتال میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

مسجد نبوی میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ صاحب الفضیلۃ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظ اللہ نے، جو اس وقت عالم اسلام کی نہایت بابرکت اور علم وفضل اور زہد و ورع کے

لحاظ سے بے مثال شخصیت ہیں نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع جیسی مبارک جگہ میں، جہاں صحابہ کرامؓ جیسے پاکباز اور قدسی صفات لوگ مدفون ہیں، تدفین عمل میں آئی۔ گویا شہادت کے رتبہ بلند کے ساتھ ساتھ صحابہؓ و تابعینؒ کا قرب و جوار بھی قیامت تک کے لئے نصیب ہو گیا۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے ؎

www.KitaboSunnat.com

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ احسان الٰہی ظہیر بھی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کی طرح ابھی جوان بلکہ جوان رعنا ہی تھے ان کے جذبے اور ولولے بھی جوان تھے ان کی امنگیں اور آرزوئیں بھی جوان تھیں۔ ان کا دل جذبوں اور ولولوں سے معمور تھا ہزاروں خواہشیں ابھی ان کے سینے میں مچل رہی تھیں اور بہت سے علمی، عملی اور جماعتی منصوبے ان کے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ تھے علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا ان کے پیش نظر ابھی ان سے بہت سی امیدیں وابستہ تھیں بلاشبہ وہ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے لحاظ سے ملت کے مقدر کا ایک روشن ستارہ تھا جو ظلم اور دہشت گردی کے گہرے افق میں ڈوب گیا ؎

فن خطابت میں وہ یکتا اور یگانہ تھے ان کا پرزور لہجہ اور زور تکلم ؏

دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

کا مصداق تھا۔ ان کی تقریر قوت استدلال کا شاہکار بھی ہوتی اور خطابت کے طنطنوں اور دبدبوں سے بھرپور بھی۔ اس میں آبشار کی سی روانی بھی ہوتی اور سمندر کا سا جوش و طغیان بھی۔ اس میں محبوب کی سی دل آویزی و طرب ناکی بھی تھی اور بادلوں کی سی گھن گرج بھی اس میں پھولوں کی سی لطافت بھی تھی اور برق خاطف کی حشر سامانیاں بھی۔ وہ بولتے تو سامعین کَاَنَّ عَلٰی رُءُوسِھِمُ الطَّیْرُ کی صورت اختیار کر لیتے اس طرح سناٹا چھا جاتا گویا رفتار کائنات رک گئی ہے وقت جامد و ساکت ہو گیا ہے اور وحوش طیور بھی ان کی سامعہ نوازی سے مسحور و مبہوت ہیں۔

- مسلکِ اہلحدیث کی توضیح و تشریح پر ان کی تقریر بڑی مدلل، دلنشین اور مؤثر ہوتی۔
- شیعہ ازم پر ان کا خطاب نہایت پرزور ان کی کتابوں کے حوالوں سے مزین ہوتا۔

• سیرتِ رسول ﷺ پہ ان کی گفتگو بڑی دل بہار ہوتی. سیرت کے روشن نقوش دماغوں پر نسم ہوجاتے. سیرت کی حسین یادوں سے دلوں کا چمن مہک اٹھتا اور اتباع سنت کا جذبہ رگوں میں خون کی طرح دوڑتا اور گردش کرتا ہوا محسوس ہوتا.

• فضائل صحابہ بھی ان کا دل پسند موضوع تھا اور مصائب صحابہؓ پر بولتے تو ہر آنکھ سے اشک رواں ہوجاتے ہر دل تڑپ اٹھتا اور بے اختیار زبان پر رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا جملہ جاری ہوجاتا.

• سیاست پہ بھی خوب تقریر کرتے حکمرانوں کے خوب لتے لیتے. انہیں للکارتے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہایت جرأت و بے باکی سے گفتگو کرتے اور سیاسی اسٹیج پر بقول شاعر ؎

پلٹنا، جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا　　لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

کے فن کا خوب خوب مظاہرہ کرتے.

• تقریباً یہی انداز اور لب و لہجہ ان کا حریفانہ بذلہ سنجیوں میں ہوتا، تاہم مطائبات کی پھلجھڑیاں چھوڑ کر محفل کو زعفران زار بھی بنائے رکھتے اپنے سیاسی، مذہبی اور تنظیمی مخالفین کے ذکر پہ بالعموم عربی کا یہ شعر پڑھتے ؎

أنا صَخْرَةُ الوادي إذا ما زُوحِمتُ
وإذا انطقتُ فإنَّني الجَوْزاءُ

• اپنے اکابر و اسلاف کی خدمات کا جب تذکرہ کرتے تو اس کے بعد عربی کا یہ شعر پڑھتے ؎

أولئكَ آبائي فَجِئْني بِمِثْلِهِم
إذا جَمَعَتْنا يا جَريرُ المَجامِعُ

• عربی، فارسی اور اردو کے اشعار کا ایک ذخیرہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا جنہیں وہ موقع و مناسبت کے مطابق اپنی تقریروں میں استعمال کرکے خوب داد و تحسین حاصل کرتے.

الغرض علامہ صاحب اپنے وقت کے عظیم اور بے مثال خطیب تھے. میدان خطابت و تکلّم میں بلا مبالغہ وہ اس شعر کے مصداق ہیں

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کا آئینہ دار تھے ان کی موت سے عروسِ خطابت کا حسن گہنا گیا ہے تکلم کا چمن اجڑ گیا ہے فصاحت و بلاغت کا جوش فرو ہو گیا ہے اور رونق منبر و محراب گھٹ گئی ہے اللہ تعالیٰ انہیں ان کی خطابت کی معرکہ آرائیوں پہ اور تکلم کی جولانیوں پہ جن سے دین کی خدمت سرانجام پائی ہے آخرت میں بہترین صلہ عطا فرمائے اور جوشِ خطابت اور زورِ تکلم میں اگر ان کی زبان نے کوئی لغزش کھائی ہے اس سے کسی کا دل دکھا ہے کوئی سینہ چھلنی ہوا ہے تو یا اللہ اپنے فضل و کرم سے مرحوم کی ان لغزشوں کو معاف فرما دے ۔

ذہانت فطانت اور حافظہ و ذکاوت میں بھی علامہ مرحوم نہایت ممتاز تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ عالم بھی تھے۔ بلیغ مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ مصنف بھی تھے اور زبان کے ساتھ قلم کے بھی دھنی تھے مدینہ یونیورسٹی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جب انہوں نے لاہور کو اپنے علم و عمل کی جولانیوں کے لئے منتخب کیا تو یہاں جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی کی خطابت کے ساتھ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے ترجمان ہفت روزہ " الاعتصام " کی ادارت بھی سنبھال لی اور کئی سال اس کے مدیر رہے چند سالوں کے بعد حضرت الاستاذ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ سے " الاعتصام " کی پالیسی کے سلسلے میں اختلاف ہو گیا اور مولانا مرحوم نے " الاعتصام " امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تحویل سے واپس لے لیا۔ چنانچہ مرکزی جمعیت نے اس کی جگہ اپنے نئے ترجمان ہفت روزہ " اہلحدیث " کا آغاز کیا جس کے اولین مدیر علامہ صاحب ہی تھے ۔ بعد میں جب مرکزی جمعیت اہلحدیث کے میاں فضل حق سے ان کا اختلاف ہوا تو شیخ اشرف مرحوم کے جاری کردہ ماہنامہ " ترجمان الحدیث " کو اپنی ادارت اور تحویل میں لے لیا

بہرحال مقصود اس مختصر تفصیل سے یہ ہے کہ قلم و قرطاس سے بھی علامہ صاحب کا تعلق برابر رہا تاہم رفتہ رفتہ اردو صحافت سے ان کا رخ عربی کی طرف ہو گیا چونکہ کئی سال مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے تھے اس لئے انہیں اردو میں بلا تکلف اظہار مافی الضمیر کی طرح عربی انشاء و تحریر پر

بھی عبور حاصل تھا چنانچہ انہوں نے عربی میں کئی کتابیں تالیف کیں۔ فرق و مذاہب کا موضوع انہوں نے پسند کیا اور اس سے متعلقہ مواد انہوں نے خاصی محنت اور کاوش سے جمع کیا۔ ایک کتاب "بابیت" پہ لکھی۔ ایک "بہائیت" پہ ایک "اسمعیلیت" پہ پانچ کتابیں شیعیت پہ لکھیں۔ ایک بریلوی مذہب پہ، آخری کتاب ان کی تصوف پہ آئی جس کا پہلا حصہ چھپ گیا ہے دوسرے حصے کی تکمیل غالباً انہوں نے کر لی تھی۔ تاہم وہ طبع نہیں ہوا قادیانیت پہ بھی عربی میں ایک کتاب لکھی اور یہ شاید عربی میں یہی کتاب ان کی اولین تصنیف تھی ابھی دیگر مذاہب و ادیان پہ بھی ان کا لکھنے کا ارادہ تھا کہ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

کا معاملہ پیش آگیا۔

ان کی یہ کتابیں متعدد بار چھپیں کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے اور عربوں میں ان کے تعارف کا سبب بنیں بعض کتابوں کے انگریزی، سواحلی اور انڈونیشی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے انکے اردو تراجم ان کے پیش نظر تھے مگر افسوس کہ اہل وطن قبل اس کے کہ ان کی تقریر و خطابت کی طرح ان کی تصانیف سے بھی کسب فیض کرتے۔ وہ دنیا کو ہی خیرباد کہہ گئے رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ

علامہ مرحوم کی ذاتی لائبریری بھی خاصی اور روز افزوں تھی جب بھی عرب ممالک کے دورں پہ جاتے تو کتابوں کا خاصا ذخیرہ ساتھ لاتے اور چند سالوں سے بیرونی دوروں میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا وفات سے چند ہفتے قبل جب بیرونی دورے سے واپس آئے تو جدید طبع شدہ کتابیں کافی تعداد میں لائے تھے۔

فرق و مذاہب چونکہ ان کا خاص موضوع تھا اس لئے اس موضوع پر بالخصوص انہوں نے بڑا وقیع مواد جمع کیا تھا اور اس میں مسلسل اضافہ کر رہے تھے وہ بجا طور پہ فرمایا کرتے تھے کہ شیعی لٹریچر کا جو وسیع ذخیرہ میرے پاس موجود ہے وہ کسی بڑے سے بڑے شیعہ عالم کے پاس بھی نہیں ہوگا شیعی لٹریچر پہ ان کی نظر بھی بڑی گہری تھی اس موضوع پر جنہوں نے ان کی تقریریں سنی ہیں انہیں ان کے مطالعے کی وسعتوں اور بے مثال حافظہ و استحضار کا بخوبی اندازہ ہے

وہ لاہور میں حضرت الاستاد المحترم محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی قائم کردہ سلفیہ لائبریری کے قیام پہ بڑے خوش تھے اور خود بھی ایک وسیع مکمل اور جامع لائبریری کا منصوبہ اپنے ذہن میں

رکھتے تھے اور اس کے لئے کوشاں بھی تھے۔

نازونعمت میں پروردہ ہونے کے باوجود اور ہر طرح کی دنیوی سہولتوں آسائشوں اور فراخیوں سے بہرہ ور ہونے کے باوصف بڑے جفاکش اور ان تھک تھے مسلسل بیرونی دورے اندرون ملک قریہ قریہ کوچے کوچے اور نگر نگر توحید و سنت کا پیغام پہنچانے کے لیے ہمہ وقت تیار اور مضطرب مجالس کی بزم آرائیاں اور تنظیمی معاملات کی کٹھنائیاں ان پہ مستزاد ان سب ہی محاذوں پہ وہ مصروف ہی نہیں خوب سرگرم رہے۔ اتنی مسلسل اور جانگداخت مساعی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کے لئے مطالعہ کتب اور اخذ و اقتباس کا جانکاہ کام بھی سرانجام دیتے پھر خود باہر جاکر کتاب کی اشاعت اور فروخت کا اہتمام بھی کرتے بلاشبہ ایسی بے پناہ صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف کی حامل شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ وا دریغا! دست اجل کی ایک ہی شوخی نے ایسی نابغۂ روزگار شخصیت ہم سے چھین لی ۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

دینی و ایمانی غیرت و حمیت میں بھی اپنی مثال آپ تھے یہ خوبی بھی آجکل نہایت کمیاب ہے ہمارے ملک کی سیاست پہ بالعموم وہ لوگ چھائے ہوئے ہیں جن کی فکر و نظر کے پیمانے کارگہ مغرب کے ڈھلے ہوئے ہیں اس لئے شاطران سیاست یا تو سرے سے دین و مذہب کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے یا پھر وہ اسے ایک پرائیویٹ معاملہ رکھنا چاہتے ہیں جس کا ریاست و سیاست کے امور سے کوئی تعلق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ دینی و ایمانی غیرت و حمیت نام کی کوئی چیز اہل سیاست کی اکثریت میں موجود نہیں چنانچہ ملک میں یورپ کی بے حیائی، آبرو باختگی، عریانی و فحاشی اور سرمایہ دارانہ قہرانیت پہ مبنی تہذیب و معاشرت کے روز افزوں غلبہ و تسلّط پہ اہل سیاست کو نہ صرف کوئی تشویش ہی نہیں بلکہ وہ خود بھی اس کے دالہ و شیدا ہیں ان کی بیگمات اور دیگر اہل خانہ مغربی تمدن کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور مغرب کی خدا فراموشی و مذہب بیزاری کو یہاں عام کر رہے ہیں۔

اس طرح کچھ لوگ صرف سرمایہ و محنت کی حد تک مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے سوشلسٹ طرز معیشت کا نفاذ اس ملک میں چاہتے ہیں اور اسلام کے نظام عدل کی بجائے

سوشلزم اور کمیونزم کے جبر و استبداد کا راستہ ہموار کر رہے ہیں یہ دونوں طبقے ملک میں اسلام کے خلاف بغاوت کے رجحانات کو فروغ دے رہے ہیں۔

علامہ مرحوم اپنی ایمانی غیرت و حمیت کی وجہ سے ان دونوں طبقوں کے خلاف نہ صرف بھرپور جذبات رکھتے تھے بلکہ ان کے لیے سیف برّاں کی حیثیت رکھتے تھے وہ ملک میں صرف محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اسلام نافذ کرنا چاہتے تھے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کے وہ حامی تھے نہ سوشلسٹ معیشت کے وہ بجا طور پر دونوں نظاموں کو ملک و ملت کے لئے نہایت خطرناک اور تباہ کن سمجھتے تھے۔ اور دونوں طبقوں کے خلاف اپنا اسلامی و ایمانی کردار ادا کرنے کا نہایت پختہ عزم رکھتے تھے وہ آزادی نسواں کی اس تحریک کے بھی سخت خلاف تھے۔ جس کا آغاز مغرب میں ہوا اب وہ پاکستان میں بھی اپنے بال و پر نکال رہی ہے جس کا مقصد مسلمان عورت کو بے پردہ اور بے آبرو کر کے مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے۔ یہ تحریک چونکہ خالصتہً مغربی نظریۂ مساوات مرد و زن پر مبنی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے یکسر متصادم ہے لیکن بدقسمتی سے اہل سیاست کی اکثریت اس تحریک کے خلاف لب کشائی کی جرأت سے محروم ہے علامہ مرحوم نے ببانگ دُہل، ڈنکے کی چوٹ آزادی نسواں کی علمبردار ان بیگمات کو بھی للکارا جنہوں نے اپنے جلوس میں اسلام کی واضح تعلیمات کے خلاف نعرے لگانے کی بدبختانہ اور شوخ چشمانہ جسارت کی تھی۔ آہ سے

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ

افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

مسلک اہلحدیث بھی چونکہ اس خالص اور بے آمیز اسلام کا نام ہے جو قرآن و احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے اور جس کا بہترین عملی نمونہ دورِ خیر القرون - عہد صحابہ و تابعین - میں ملتا ہے اس لئے علامہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ مسلک سے بھی والہانہ لگاؤ اور اس کی شدید عصبیت رکھتے تھے۔ یہ خوبی ان کو اپنے والد حاجی ظہور الٰہی دام ظلہ سے ورثے میں ملی تھی حاجی صاحب موصوف بھی مسلک اہلحدیث سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں اور یہ مسلکی محبت انہوں نے اپنے تمام بیٹوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے یہ تمام بھائی (شکور الٰہی، محبوب الٰہی فضل الٰہی اور عابد الٰہی) اپنے والد محترم کی طرح مسلک سے بے پناہ محبت اور اس سے والہانہ

لگاؤ رکھتے ہیں اور اس کی تبلیغ و اشاعت اور حمایت و مدافعت میں سیماب وار کوشاں رہتے ہیں۔ کثر اللہ امثالھم فینا

علامہ صاحب باوجود اس بات کے کہ ان کے تعلقات ہر مکتبہ فکر کے علماء و زعماء سے تھے علاوہ ازیں ملک کے سیاسی لیڈر بھی تھے اور یہ دونوں چیزیں۔ وسعت تعلقات اور لیڈری۔ انسان کی مسلکی عصبیت کو بالعموم متاثر کرتی اور اس میں مداہنت و نامناسب رواداری کے جذبات کو فروغ دیتی ہیں۔ لیکن علامہ صاحب اپنی اس خوبی میں بھی نہایت ممتاز رہے کہ وسیع تر تعلقات اور سیاسی قیادت کے منصب پر فائز ہونے کے باوصف ان کی حمیت میں کوئی کمی نہیں آئی مسلک کی حقانیت پر ان کا یقین غیر متزلزل رہا اور اس کی حمیت و عصبیت میں ایک فولادی چٹان اور اس کی حمایت و مدافعت میں ہر محاذ پر سینہ سپر رہے۔

بہر حال علم و عمل کا وہ ایک ایسا پیکر تھے جس میں سیمابی روح بھری ہوئی تھی آرام سے بیٹھنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے ہر وقت مشین کی طرح متحرک اور اپنوں اور بیگانوں سب سے اپنے اپنے انداز سے نبرد آزما اور جو کھمی لڑنے میں مصروف۔ اللہ تعالےٰ نے ذہنی و علمی صلاحیتوں اور اقدام و عمل کی توانائیوں سے خوب خوب نوازا تھا اور بیک وقت منفی و مثبت چیزوں بلکہ تضادات کا ایسا عجیب و غریب امتزاج ان کی ذات میں پایا جاتا تھا کہ حیرانی ہوتی تھی پر سچ ہے ؂

ولیس من اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

افسوس جوانی کے عالم میں ہی علم و عمل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا وہ زبان خاموش ہو گئی جو اہل باطل کے لئے صور اسرافیل کی حیثیت رکھتی تھی وہ دل ساکن ہو گیا جو اسلام اور مسلک کے لئے دھڑکتا تھا وہ سینہ سرد پڑ گیا جو جذبات اور تمناؤں سے معمور تھا وہ آنکھیں بند ہو گئیں جو مسلمانوں کے غم میں اشک بار رہتی تھیں۔ وہ قلم ٹوٹ گیا جس سے وہ اپنے داغہائے جگر صفحات قرطاس پر منتقل کرتے تھے اور وہ دست و بازو شل ہو گئے جو شب و روز شمشیر زنی و نبرد آزمائی میں مصروف تھے۔

اَیَّتُھَا النَّفْسُ اَجْمِلِیْ جَزَعًا
فَاِنَّ مَا تَحْذَرِیْنَ قَدْ وَقَعَا

بلاشبہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کی موت شخص واحد کی موت نہیں، ایک عہد کا خاتمہ ہے ایک مسیحا نفس کا ماتم ہے تاجدار اقلیم خطابت کا نوحہ ہے اور شہر یار علم و ادب کا مرثیہ ہے

باقی صد ۱۵۳ پر